اتھارٹی" نے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے، مگر Law (لاء) ایسی کوئی شہادت فراہم نہیں کر سکی کہ مسیحی یا نو مسیحی اپنے مذہب کی بنیاد پر پریشانیوں کا شکار ہوئے ہوں۔

لاء کی رپورٹ اس نتیجے پر ختم ہوتی ہے: "ایذاء رسانی کے دعوے جن کا ذکر انسانی حقوق کی اصطلاحات میں کیا جاتا ہے، اسرائیل اور بیرون اسرائیل عام ہیں، مگر ان کی تائید میں کوئی شہادت موجود نہیں۔"

ڈرانے دھمکانے کے واقعی مقدمات سے قطع نظر فلسطینی مسیحی مسلم۔ مسیحی تعاون کی مثالوں پر عمل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ملکی کیتھولک پادری الیاس شکور کہتے ہیں کہ گلیلی میں اُن کے مدرسے میں تقریباً تین ہزار مسلمان، مسیحی اور یہودی یکجا پڑھتے ہیں، یہ اس بات کا اظہار ہے کہ پرامن تعاون واقعی ایک حقیقت بن سکتا ہے۔

غزہ میں ایک پادری نے بتایا کہ مسیحی اور مسلمان فلسطینی "اس سرزمین میں اپنی بقاء" کی جدوجہد میں اکٹھے ہیں۔ غزہ کے ایک علاقے میں آرتھوڈکس چرچ اور مسجد کی دیوار سانجھی ہے۔ غزہ کے بپٹسٹ پادری ماہر عیاض نے مسلمانوں اور مسیحیوں کے بارے میں کہا: "ہم بھائیوں کی مانند ہیں۔ ہم ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔" ایک فلسطینی مسیحی خاتون نے کہا کہ "ہم ایک قوم ہیں، ہم ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہیں، غموں میں شریک ہیں۔"

مغربی کنارے کے متعدد مسیحی زور دے کر کہتے ہیں کہ اُنہیں اس وقت سب سے زیادہ تشویش اولاً اس بات پر ہے کہ اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات میں پیش رفت نہیں ہو رہی، ثانیاً بہتر ملازمت، تعلیم اور علاج معالجے کی سہولتوں تک پورے طور پر رسائی نہ ہونے سے آئے روز مشکلات کا سامنا ہے۔

ایشیا

افغانستان: مسیحی تبشیری سرگرمیاں۔ تاریخی تناظر میں

"عالم اسلام اور عیسائیت" کے گزشتہ شمارے میں پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین میں شاعت و ترویج مسیحیت پر ایک رپورٹ شائع کی گئی تھی۔ ذیل میں مسیحی اشاعتی ادارے "موڈی پریس۔ شگاگو" کی کتاب The Church in Asia (ایشیا میں چرچ) میں افغانستان

پر لکھے گئے مقالے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مرتب نے مقالہ نگار کا نام لکھنے کے بجائے ''نامعلوم'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی، اس سے اُس وقت تک کی مسیحی سرگرمیاں اور نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔ اس کے بعد، بالخصوص روسی افواج کے افغانستان میں داخل ہونے، اور ان کے خلاف افغان عوام کی مزاحمت میں مغربی دُنیا کے تعاون نے مسیحی مبشرین کے لیے اس ''مشکل'' خطے میں کام کرنا آسان کر دیا، اور گزشتہ شمارے کی رپورٹ کے مطابق وہ چنداں ناکام بھی نہیں رہے۔ یہ صورت حال افغانستان کی رواں صورت حال میں ملک کی بڑی قوت یعنی ''طالبان'' کے لیے قابل قبول نہیں، اور وہ اس پر معترض ہیں۔ غیر سرکاری رضاکار تنظیموں اور ''طالبان'' کے درمیان حالیہ اختلافِ نظر کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ ''طالبان'' کی خواہش ہے کہ مغربی مسیحی تنظیمیں افغان عوام کے مذہب اور روایات میں مداخلت نہ کریں۔ مدیر!

سلسلہ ہمالیہ میں درہ خیبر سے پرے پہاڑی علاقے پر مشتمل ایک کم معروف مسلمان بادشاہت، افغانستان ۱۹۷۰ء کے عشرے کے ابتدائی برسوں میں بائبل کا پیغام سننے کے لیے اپنے دروازے واکر رہی تھی کہ ''المیہ'' پیش آ گیا۔ ہزار سال سے زیادہ عرصے تک مسیحیت کے خلاف سخت مزاحمت کے بعد ۱۹۷۰ء میں افغانستان میں پہلا گرجا گھر تعمیر ہوا، مگر ۱۳جون ۱۹۷۳ء کو یہ خوبصورت عمارت سرکاری حکام نے اپنی تحویل میں لے لی جو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک رہنے والے مسیحیوں کے عطیات سے تعمیر ہوئی تھی۔ ۱۶جولائی کو حکومتی کارکنوں نے اسے گرا کر اِس کا نام و نشان مٹا دیا۔

''انٹر نیشنل افغان مشن'' کے ساتھ کام کرنے والے بارہ چودہ مبشرین کو تقریباً بیک وقت ملک چھوڑ دینے کا حکم دے دیا گیا۔ ملک بھر میں نابیناؤں کے لیے کام کرنے والے دونوں ادارے، جو ''انٹر نیشنل افغان مشن'' کے زیر انتظام تھے، بند کر دیے گئے۔ چالیس سے زائد ڈاکٹروں اور نرسوں کو، جو ''نابیناؤں کی آباد کاری کی قومی تنظیم'' سے وابستہ، دارالحکومت کابل اور علاقائی شفاخانوں میں کام کر رہی تھیں، ۲۰ دن کے اندر اندر ۲۱ اکتوبر تک ملک چھوڑ دینے کے احکام دیے گئے۔

مگر، شاید خداوند کا ہاتھ کام کر رہا تھا، گرجا گھر مسمار کیے جانے کی اگلی رات فوجی انقلاب کے ذریعے بادشاہ ظاہر شاہ معزول کر دیے گئے اور ملک کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ بادشاہت کے ۲۲۶ سال کے بعد یہ ایک ڈرامائی تبدیلی تھی۔ نئی حکومت آخرالامر کیا رویہ اختیار کرتی ہے، اس بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا قبل از وقت ہے، تاہم معلوم ہوا ہے کہ سابق حکومت کے گرجا گھر گرانے پر

موجودہ حکمرانوں نے افسوس اور مسیحی کارکنوں سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ مسیحی کارکنوں کے ساتھ حکومت کا رویہ نسبتاً زیادہ ہمدردانہ ہے اور اس نے سابق حکومت کے وہ احکام منسوخ کر دیے ہیں جن کے تحت ڈاکٹروں اور نرسوں کو ملک چھوڑ دینے کے لیے کہا گیا تھا۔

اس نئے اور نسبتاً ہمدردانہ رویے کا ایک سبب شاید وہ بیان ہے جو متعدد سر کردہ مسیحی رہنماؤں (بہ سر کردگی ڈاکٹر بلی گراہم) نے گرجا گھر مسمار کیے جانے پر بطور احتجاج ظاہر شاہ کو بھیجا تھا، اس بیان کی خوب تشہیر کی گئی تھی۔ مزید براں گرجا گھر مسمار کیے جانے پر مذمت کے ہزاروں خطوط کابل اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں افغان سفارت خانے کو موصول ہوئے تھے۔ نئی جمہوری حکومت کیا رویہ اختیار کرتی ہے؟ کچھ واضح نہیں، تاہم مسیحی چرچ اور اس کے کارکنوں کی جانب حکومت کا رویہ مسائل سے خالی نہ ہوگا۔ افغانستان ایک مسلمان ملک ہے، اس لیے بہت زیادہ آزادی کی توقع نہیں کی جاسکتی، البتہ گرجا گھر مسمار کرنے کا المیہ نسبتاً زیادہ کشادگی کا راستہ ہموار کر سکتا ہے، کیوں کہ اس کے رد عمل میں دنیا بھر کی رائے عامہ نے ملک میں موجود کٹھ ملائیت پر تنقید کی ہے۔ افغانستان کے اندر اور باہر مسیحیوں کو دعائیں کرتے ہوئے انتظار کرنا ہوگا، تاہم طبّی اور معاشرتی خدمت خاموشی سے محدود سطح پر جاری ہے۔

رواں صدی میں افغانستان میں کبھی کسی مقامی چرچ کا وجود نہیں تھا، اس طرح ایک کروڑ اسی لاکھ افراد پر مشتمل افغان دنیا کی سب سے بڑی قوم ہے جسے مسیحیت کا پیغام نہیں پہنچا۔ (یاد رہے کہ چین کے دروبست میں ۱۹۴۹ء تک مسیحیت کا پیغام پہنچ چکا تھا۔) دوسری عالمی جنگ تک ملک کی سرحدوں پر ایسے انتباہی بورڈ لگے ہوئے تھے: "امیر کشور کی خصوصی اجازت کے بغیر اس سے آگے جانا ممنوع ہے۔" صرف چند افراد کو اندرون ملک جانے کی اجازت دی گئی، اور انہیں بھی سیاحوں، سفارت کاروں، ڈاکٹروں اور تاجروں کی حیثیت سے مختصر وقت کے لیے، لیکن ۱۹۴۷ء میں برصغیر کی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم ہونے کے بعد ملک کو آزادانہ ترقی کرنے کا موقع ملا۔ اب برطانوی ہندوستان اور روس کے درمیان کسی ٹکر روک (buffer) ریاست کی ضرورت نہیں رہی۔ رفتار ترقی تیز تر کرنے کے لیے حکومت افغانستان نے اساتذہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، اور مارچ ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر فرینک لاباخ کو تعلیم بالغاں کے ایک پروگرام کے لیے بلایا گیا۔ اس وقت یونیسکو کے اندازے کے مطابق افغانستان کی ۹۷ فیصد آبادی ناخواندہ تھی۔

مذکورہ عرصے میں مسیحی "خیمہ ساز" اساتذہ، اقوام متحدہ کے زیر انتظام منصوبوں کے کارکنوں، مختلف سفارتی مشنوں کے نمائندوں اور انجینئروں کی شکل میں ملک میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں کو پہلی بار "کرسچین فیلو شپ" قائم کرنے کی اجازت دی گئی اور ڈاکٹر جے۔ کرسٹی ولسن جونیر

کی رہنمائی میں پہلے گھروں، اور پھر مختلف سفارت خانوں میں عبادتی اجتماعات کا انعقاد ہونے لگا۔ ڈاکٹر ولسن جونیئر افغانستان میں مقیم بین الاقوامی مسیحی برادری کے پادری تھے۔اُن کے والدین ایران میں کام کرنے والے پرسبیٹرین مناد تھے۔افغانستان میں بین الاقوامی برادری بڑھنے کے ساتھ ساتھ متعدد ممالک کے مسیحی بچوں کے لیے اتوار کے اجتماعات اور بائبل کی تعلیم کی ضرورت بڑھ گئی۔ تعلیم اور عبادت کی یہ ضرورت پوری کرنے کے لیے دسمبر ۱۹۵۲ء مین "کمیونٹی کرسچین چرچ" قائم کیا گیا۔ آج ملک کے مختلف حصوں میں جہاں دوسری اقوام کے افراد کام کر رہے ہیں، غیر ملکی لوگوں کے اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔

یہ مسیحی نہ صرف باقاعدگی سے عبادت کرنا ضروری سمجھتے تھے، بلکہ عملی طریقوں سے لوگوں کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ایک چینی ماہر زراعت کی نشاندہی پر جاپان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے ٹراوٹ مچھلی کی ایک خاص قسم Rainbow Trout کے انڈے منگوائے گے، ان سے پونگ پیدا کیا گیا اور اسے مختلف دریاؤں اور جھیلوں میں ڈال دیا گیا۔بادشاہ اپنے ایک بیٹے کے ہمراہ ایک روز شکار کھیلنے نکلا اور شاہزادے نے اس قسم کی ایک مچھلی پکڑلی۔ مچھلی مشکل سے پکڑی گئی تھی، مگر اس کا ذائقہ اتنا عمدہ تھا کہ بادشاہ نے وزارتِ زراعت کو حکم دیا کہ اس پروجیکٹ کو تمام ماہی خانوں (hatcheries) تک پھیلا دیا جائے۔آج پورے ملک کے ندی نالے اور جھیلیں اس مچھلی سے بھری پڑی ہیں۔

افغانستان بڑی حد تک ایک زرعی ملک ہے، اس لیے بادشاہ نے درخواست کی کہ لانگ آئی لینڈ کی بطخیں بھی درآمد کی جائیں۔ ۱۹۵۷ء کے موسم گرما میں مسیحیوں نے چار درجن انڈوں کا آرڈر دیا۔ یہ انڈے ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے ہوائی جہاز سے افغانستان لانے میں ۱۸ دن لگ گئے، اس لیے اس بات کا خطرہ تھا کہ شاید ان میں سے کوئی بھی کارآمد نہ رہا ہو۔ مسیحی کارکن دعا کرتے رہے کہ خداوند کم از کم ایک جوڑے کو زندگی عطا فرمائے، تین بطخیں پیدا ہوئیں، ایک مادہ اور دو نر۔ بطخیں شاہی فارم میں منتقل کر دی گئیں۔ اکلوتی مادہ نے پہلے موسم میں ۸۰ سے زیادہ انڈے دیے۔ آج سارے ملک میں یہ بطخیں پالی جاتی ہیں (زیادہ تر آب پاشی کے لیے بنائی گئی کھائیوں میں) اور نہ صرف غذائی ضروریات پوری کرتی ہیں، بلکہ ان کے پر گرم صدریوں اور رضائیوں میں بھرے جاتے ہیں۔ مگر ان بطخوں کا سب سے بڑا فائدہ افغانستان میں بھیڑیں پالنے کی صنعت کو ہوا ہے جس پر اون، قالین، قراقل ٹوپیوں کی کھالوں اور گوشت کا انحصار ہے۔ بھیڑوں کا ایک بڑا حصہ جگر کی بیماری کا شکار تھا جو گھونگوں (snails) کے ذریعے ان تک منتقل ہوتی تھی، لیکن اب بطخیں یہ کیڑے کھا رہی ہیں، اور نتیجتاً اس سے بھیڑوں میں بیماری کم ہو گئی ہے۔

۱۹۶۶ء میں "انٹر نیشنل افغان مشن" -International Afghan Mis)
sion) باقاعدہ قائم کیا گیا۔ (مشن کا یہ انگریزی نام اس کے اختصار IAM کی خاطر چنا گیا جو ہمارے خداوند کے خطاب "I am" یعنی میں ہوں" پر ہے)۔ مشن کا مقصد "زیادہ تر طبّی اور تعلیمی منصوبوں کے ذریعے افغان عوام کو مسیحیت کا پیغام دینا تھا۔" مشن نے متعدد طبّی اور سماجی تنظیمیں قائم کیں جن کی اشد ضرورت تھی۔ مشن مختلف اقوام سے ذہین کارکنوں کو اپنے ساتھ وابستہ کرنے میں کامیاب رہا جو اس دور دراز ملک میں کام کرنے کی مدت سے خواہش رکھتے تھے۔ "انٹر نیشنل افغان مشن" ان ہی خطوط پر قائم کیا گیا تھا جن پر ایک ایسی ہی تنظیم نیپال میں ایونجلیکل کام کر رہی تھی۔ اس وقت "انٹر نیشنل افغان مشن" کو جن متعدد تنظیموں کی جانب سے مادی اور افرادی تعاون حاصل ہے، ان میں حسب ذیل شامل ہیں:

☆ افغان بارڈر کروسیڈ
☆ اسمبلیز آف گاڈ (برطانیہ، آئرلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ بائبل اینڈ میڈیکل مشنری فیلوشپ (آسٹریلیا، کینیڈا، انڈیا، نیوزی لینڈ، برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ سنٹرل ایشین مشن (برطانیہ)
☆ کرسٹوفل بلائنڈن مشن (جرمنی)
☆ چرچ مشنری سوسائٹی (آسٹریلیا، برطانیہ)
☆ ڈینش پٹھان مشن (ڈنمارک)
☆ ڈینسٹی ان ابر سی (جرمنی)
☆ فینش لوتھرن مشن (فن لینڈ)
☆ انڈین ایونجلیکل مشن (انڈیا)
☆ کابل کمیونٹی کرسچن چرچ انکارپوریٹڈ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ لاباخ لٹریسی انکارپوریٹڈ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ میڈیکل اسسٹنس پروگرام (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ مینونائٹ برودرن چرچز (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ مشنری ایوی ایشن فیلوشپ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ پریسبیٹیرین چرچ آف کینیڈا
☆ ایونجلیکل الائنس مشن (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)

ک

☆ یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)
☆ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں یونائیٹڈ پریسبٹیرین چرچ
☆ ورلڈ مشن پریئیگ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ)

آٹھ سال پہلے افغانستان میں صرف ایک مسیحی کارکن تھا، اب گیارہ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے ایک سو سے زیادہ ہمہ وقتی کارکن کام کر رہے ہیں۔

معذوروں کے لیے کام شروع ہونے کے بعد نئے مشن میں توسیع ہوئی ہے۔ ایک مسیحی سیاح نے ایک سڑک پر چھوٹا سا نابینا بچہ دیکھا، اور اس سے نابیناوں کے لیے کام شروع ہو گیا۔ ۱۹۷۳ء میں جب حکومت کی جانب سے سکول بند کیے گئے تو کابل کے اس سکول میں ۶۵ نابینا بچے پڑھ رہے تھے، اسی طرز کا ایک سکول ملک کے مغربی حصے میں ہرات میں قائم کیا گیا تھا جس میں ۲۰ طلبہ و طالبات پڑھ رہے تھے۔ اطلاعات کے مطابق جب سکول بند کیے گئے تو بعض نابینا بچے دوبارہ گلیوں میں بھیک مانگنے لگے۔ نابیناوں کو معاشرے کا فعال حصہ بنانے کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی بیماریوں کے علاج معالجہ کا آغاز ہوا۔ "انٹرنیشنل افغان مشن" کے ذیلی ادارے "نور" اور حکومت کے درمیان ۱۹۶۶ء کے معاہدے کے مطابق ان تبشیری مشنوں کو کام کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس ازحد ضروری مشن کے تحت کام کرنے کی خاطر مختلف ملکوں سے آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر اور نرسیں آ گئیں، ۱۹۷۳ء میں کابل میں آنکھوں کا ایک ہسپتال کھولا گیا، اور مختلف ٹیمیں ملک میں گھوم پھر کر آپریشن کرنے لگیں۔ موتیا کے ہزاروں بیماروں کا علاج کیا گیا اور انگلستان سے بطور عطیہ آنے والی آنکھیں بذریعہ آپریشن نابیناوں کو لگائی گئیں۔ نئی حکومت کی اجازت سے یہ کام جاری ہیں۔

"انٹرنیشنل افغان مشن" کے طبی پروگرام کے تحت ملک کے نسبتاً دور دراز علاقوں میں ایک اور تبشیری تنظیم بنائی گئی۔ ایک گشتی یونٹ سے کام کا آغاز کیا گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں پائی جانے والی بیماریوں کا جائزہ لیا گیا۔ ڈاکٹروں کو معلوم ہوا کہ ملک کے وسطی حصوں میں ایک بڑی تعداد میں جذام کے مریض ہیں جن کا علاج نہیں ہو رہا۔ حکومت نے مرکزی کوہستانی علاقے ہزارہ جات میں ابتدائی نوعیت کا ایک ہسپتال چلانے کے لیے کہا۔ اس علاقے کے گرد و نواح میں چھوٹے چھوٹے ذیلی شفاخانے بھی قائم کر دیے گئے، اور اب جذام کے ہزاروں مریضوں کا ان شفاخانوں میں علاج کیا جا رہا ہے۔ بیس ہزار مریض ان شفاخانوں سے فیض یاب ہو چکے ہیں اور دو ہزار آپریشن کیے گئے ہیں۔ موسم سرما میں برف باری کے باعث بلندی پر واقع یہ پہاڑی درے آبادی سے کٹ کر رہ جاتے ہیں، اس لیے ریڈیو کے ذریعے شفاخانوں اور ان کے کارکنوں سے رابطہ رکھا جاتا ہے۔ "مشنری ایوی ایشن فیلو شپ" کا پائلٹ اور جہاز، برف پر اترنے کے سامان سے لیس، ان دور درا

علاقوں میں کام کے آگے بڑھانے میں بہت مددگار ہے۔

افغانستان میں مقیم بین الاقوامی مسیحی برادری کے بچوں کے لیے ۱۹۵۷ء میں سکول کا آغاز کیا گیا تھا۔ اب یہ سکول بڑی حد تک خود کفیل ہے اور اسے محنتی اساتذہ کا تعاون حاصل ہے۔ بیس مختلف، بشمول کمیونسٹ، ممالک کے بچے اس سکول میں زیر تعلیم ہیں۔ ہر جماعت میں بائبل پڑھائی جاتی ہے اور سکول کا آغاز دعائیہ اجتماع سے ہوتا ہے۔

سوئزرلینڈ کی طرح افغانستان میں نواحی علاقوں کی زبانیں بولی جاتی ہیں، اس لیے بائبل کے ترجمے دو بڑی زبانوں یعنی پشتو اور فارسی میں دستیاب ہیں، لیکن مقامی بولیوں کی روشنی میں ان تراجم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مزید براں ملک کے شمال میں ازبک، ترکمان، قازق، کرغیز مختلف ترک زبانیں بولتے ہیں، اور بھی زبانیں ہیں جو چھوٹے لسانی گروہ بولتے ہیں اور ابھی تک ان میں تحریر کا آغاز نہیں ہوا۔ اب تک ملک کی مختلف ۵۱ بولیوں میں بائبل کے کیسٹ تیار ہو چکے ہیں، ان میں سے ۲۶ بولیاں افغانستان کے مشرقی حصے نورستان کی وادیوں کے لوگ بولتے ہیں۔

چیلنج اور امکانات

۹۵ فیصد ناخواندگی افغانستان کا اب تک بہت بڑا مسئلہ ہے، اساتذہ کی تربیت اور نصاب تیار کرنے کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے طبّی کاموں اور نابیناؤں کے مدارس کے لیے افراد کی ضرورت ہے۔

مسیحی خدمت کا ایک موقع یہ ہے کہ غریبوں کے لیے کپڑے فراہم کیے جائیں۔ کابل میونسپلٹی بھکاریوں کو کام کے لیے زرعی فارم پر لے جاتی ہے۔ چرچ نے افغانستان کی بین الاقوامی برادری سے کپڑے خریدے اور جمع کیے ہیں اور مقامی گروہوں میں تقسیم کیے ہیں۔ وسطی افغانستان میں دو سالہ خشک سالی کے نتیجے میں جو حالیہ قحط پیدا ہوا، اس میں "ورلڈ وژن" نے مقامی چرچ کے توسط سے بھوکے بچوں اور ماؤں کو سامان خورونوش اور ملبوسات مہیا کیے ہیں۔ "انجمن ہلال احمر" (ریڈ کراس کے مقاصد رکھنے والی مسلم تنظیم) نے بھی امدادی کاموں میں تعاون کیا ہے۔

افغانستان میں سیاحت کی ۱۹۵۹ء میں پہلی بار اجازت دی گئی تھی اور اس سال صرف ۴۵۳ سیاح آئے تھے، تاہم اس وقت سے لے کر اب تک آنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سالانہ سے بڑھ گئی ہے۔ حالیہ برسوں میں ہپیوں کی بڑی تعداد آئی ہے، کیوں کہ حشیش اور افیون سے حاصل ہونے والی نشہ آور اشیاء یہاں باآسانی دستیاب ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں "مشن کے حامل نوجوان" (Youth with a Mission) نامی تنظیم نے ان ضرورت مند نوجوانوں میں کام شروع کیا، اس

کے حیرت انگیز نتائج سامنے آئے ہیں اور مذہب وفکر کی تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ ان نوجوانوں کے لیے "دل آرام" کے نام سے ایک ہوسٹل بنایا گیا۔ دنیا بھر سے سیکڑوں ہپی، جن میں زیادہ تر نشہ کے عادی تھے، "دل آرام" میں داخل ہوئے اور ان میں سے درجنوں یسوع مسیح کے قدموں میں آگئے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے موسم گرما میں مغربی دنیا سے متعدد مسیحی نوجوان اس لیے افغانستان آئے کہ بین الاقوامی آوارہ گرد نوجوانوں میں کام کریں۔ اس کام کے نتیجے میں "ہپی رہ گزر" پر ایمسٹرڈم سے کھٹمنڈو تک ایسے ہی مراکز قائم کردیے گئے ہیں۔

جوں جوں افغان بطور طالب علم، تاجر، سفارت کار اور سیاح بیرون ملک جارہے ہیں، اپنے ملک کے محدود تناظر کی نسبت ان تک بائبل کا پیغام پہنچنے میں سہولت پیدا ہورہی ہے، لیکن اسلام کا قانون ارتداد تاحال افغانستان میں لاگو ہے۔ اگر کوئی مسلمان مذہب بدلتا ہے تو وہ قتل ہو سکتا ہے۔ حتی کہ کوئی افغان بیرون ملک یسوع مسیح کو قبول کرتا ہے تو اپنے ملک واپسی پر اسے ایذا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ متعدد افغان جنہوں نے یسوع مسیح کو اپنے "نجات دہندہ" کے طور پر قبول کیا، زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

اگرچہ افغانستان ایک طویل مدت تک باقی دنیا سے الگ تھلگ رہا، مگر اب اس کے دروازے بیرونی دنیا کے لیے کھلتے جارہے ہیں۔ حالیہ سیاسی تبدیلی سے یہ عمل مزید تیز تر ہو سکتا ہے، اور مسیحی ایمان و مذہب کے خلاف دباؤ کم ہو سکتا ہے۔ اقوام متحدہ، برٹش کونسل، سپاہ امن (Peace Corps)، یو-ایس ایڈ اور "والنٹری انٹرنیشنل بزنسز" کے زیر سرکردگی کام کرنے والے مختلف امدادی پروگراموں میں شامل ہو کر مسیحی خدمت اور ایمان کی گواہی کے مواقع موجود ہیں۔ مختلف سفارت خانوں اور بین الاقوامی کاروباری اداروں میں شمولیت کے بھی مواقع ہیں۔ مزید براں مسیحی طلبہ وطالبات کابل یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتے ہیں اور ملک کے تحقیقی کاموں میں شرکت کر سکتے ہیں، اور اس شکل میں ایمان کی گواہی دینے کے مواقع حاصل کر سکتے ہیں۔ اس بات کا امکان ہے کہ افغانستان کے دروازے کسی دھچکے سے اور زیادہ کھل جائیں۔ "انٹرنیشنل افغان مشن" اور اس کے متعلقہ ادارے چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

ملک اور اس کے لوگ

وسطی ایشیا کے قلب میں درہ خیبر سے پرے واقع افغانستان دشوار گزار راستوں کے باعث مدتوں اسرار میں ڈوبا رہا ہے، اس کی تاریخ جہاں تشدد سے بھری ہوئی ہے، وہیں رنگین بھی ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں ایرانی سلطنت نے افغانستان کو اپنا حصہ بنالیا تھا، اس سے پہلے جو قبائل

بلند وبالا پہاڑوں اور وادیوں میں گھومتے پھرتے تھے، ان کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں، لیکن اس کے بعد یکے بعد دیگرے آنے والے فاتحین کے زیر اثر تبدیلی کا عمل شروع ہوا۔ ۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر اعظم سے فاتحین کا یہ سلسلہ شروع ہوا۔ چار سو سال بعد وسطی ایشیا کے قبائل نے اس پر قبضہ کیا۔ پھر ایران، انڈیا اور پار تھیا سات صدیوں تک اس خطے کے مختلف حصوں پر اپنے اقتدار کے لیے باہم دگر نبرد آزما رہے، حتیٰ کی عربوں نے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس کے شمالی اور مغربی حصوں پر قبضہ کر لیا۔ ایرانی، ہندوستان کے ہندو اور ترک یکے بعد دیگرے افغانستان پر لڑتے رہے حتیٰ کہ چنگیز خان کے منگول جنگجو ۱۲۲۰ء میں اسے اپنے زیر اقتدار لے آئے اور ۱۷۰۰ء تک افغانستان پر ان کا اقتدار قائم رہا۔

۱۷۲۹ء میں ایک بار پھر ایرانیوں نے افغانستان واپس لے لیا، بیس برس بعد افغان قبائل نے بغاوت کی اور کچھ وقت کے لیے مقامی اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر، جب برطانیہ اور روس نے ایشیا میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا تو افغانستان شمال کی طرف پھیلتے ہوئے برطانوی ہندوستان اور جنوب کی جانب بڑھتے ہوئے روس کے درمیان ایک ایسا خطہ بن گیا جس پر کسی کا قبضہ نہ تھا، مسیحی مبشرین اور دوسرے لوگوں کو افغانستان میں داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح افغانستان کے باشندوں کے بیرون ملک جانے پر پابندی تھی۔ صرف خانہ بدوش اپنے ریوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ سالانہ نقل مکانی کرتے ہوئے ادھر ادھر جاتے تھے۔ دو متحارب و متقابل ریاستوں کو الگ تھلگ رکھنے والے ملک کی حیثیت سے افغانستان کو "واخان" کی طویل پٹی دی گئی جو چین کے ساتھ تجارت کا قدیم راستہ تھا۔ یہی راستہ مارکو پولو نے ۱۳ویں صدی عیسوی میں شاہراہ ریشم کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اس کوہستانی راستے کے ساتھ ساتھ بہت قیمتی اور نایاب "مارکو پولو بھیڑیں" پائی جاتی ہیں جن کے مدور سینگ بعض اوقات چھ چھ فٹ کے برابر ہوتے ہیں۔ (اس علاقے میں حال ہی میں شکاریوں کو جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ شکاری ایک "مارکو پولو بھیڑ" شکار کرنے کے چھ ہزار ڈالر تک ادا کرتے ہیں۔)

۱۹۲۰ء کے عشرے میں برطانیہ نے اپنی نو آبادیاتی گرفت ختم کی تو ۱۹۲۳ء میں افغانستان میں ایک دستوری بادشاہت قائم ہوئی۔ دوسری عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہتے ہوئے (اور اب بھی روس اور امریکہ کے درمیان غیر یقینی غیر جانبداری قائم رکھے ہوئے ہے) افغانستان ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کا رکن بنا اور دونوں بڑی طاقتوں سے امداد اور قرض لے کر افغان حکمرانوں نے اپنے معاشرے کو جدید بنانے کی کوششیں کی ہیں۔ لازمی فوجی خدمت کے تحت زیادہ تر دفاعی نوعیت کی سڑکوں کی تعمیر، زراعت اور جنگلات کے فروغ جیسے منصوبے ہیں۔

--- ۱۹۵۹ء میں خواتین کو برقع اتارنے کی اجازت دی گئی تھی اور بہت سی خواتین اب سرکاری دفاتر اور تعلیمی و کاروباری اداروں میں کام کر رہی ہیں۔

۱۶ جولائی ۱۹۷۳ء کو اچانک حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور اسی رات چرچ زمین بوس ہو گیا۔ انقلاب میں بادشاہ کے چچازاد بھائی اور سابق وزیراعظم (۱۹۵۳ء - ۱۹۶۳ء) نے اقتدار سنبھال لیا، بادشاہ کو معزول کیا گیا اور ملک کو جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ اس کا مسیحیوں اور ان کے کام پر کیا اثر ہوگا، ابھی واضح نہیں۔

افغانستان جو وسائل کے اعتبار سے امیر ہے اور نہ غریب ہی۔ رقبے میں فرانس یا ٹیکساس کے برابر ہے، مگر کم بارشوں کے سبب ملک کا بہت تھوڑا حصہ کاشتکاری کے قابل ہے۔ تین چوتھائی حصہ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے جو جنوب مغرب میں دو صحراؤں سے جاملتا ہے۔ افغانستان کے ایک کروڑ اسی لاکھ افراد کی بڑی اکثریت کسانوں اور خانہ بدوش چرواہوں پر مشتمل ہے، جس کے نتیجے میں تعلیم اور خواندگی کے مسائل زیادہ الجھے ہوئے ہیں۔

مذاہب

چھٹی صدی قبل مسیح میں زردشت افغانستان کے شمالی حصے، بلخ میں پیدا ہوا تھا، اور قبل مسیح دور میں "ثنویت" کا حامل زردشتی مذہب اسی علاقے سے پورے ایران میں پھیلا تھا۔ سورج مکھی کا مقامی نام "آفتاب پرست" زردشتی ورثے کی عکاسی کرتا ہے، لیکن یہ مذہب افغان قبائل کو کبھی بھی اپنا گرویدہ نہ بنا سکا، اور آج پورے ایشیا میں محض ایک لاکھ زردشتی (پارسی) ہیں جو زیادہ تر ایران میں تہران اور ہندوستان میں مومبائی میں مرتکز ہیں۔

بدھ مت نے زردشتی مذہب کی جگہ لی اور غالب اکثریت کا مذہب بن گیا۔ وسطی افغانستان میں وادی بامیان کے پہاڑوں میں بدھ کے بڑے بڑے مجسموں کی شکل میں اس کی یاد باقی ہے۔ ان میں سب سے بڑا مجسمہ ۱۷۰ فٹ اونچا ہے، دوسرے لفظوں میں نیاگرا آبشار سے بھی زیادہ اونچا۔ قرب و جوار میں بدھ دور کی ہزاروں غاریں ہیں اور قدیم ستوپوں کی باقیات ملک کے کئی حصوں میں بکھری پڑی ہیں۔ بدھ مت نے مسلم فتوحات کے لیے جگہ خالی کی جو ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں بتدریج مکمل ہوئیں۔ زیادہ تر آبادی مسلمانوں کے سنی مکتب فکر کی پیروکار ہے، اگرچہ شیعہ فرقہ کی قابل لحاظ اقلیت بھی ہمیشہ رہی ہے۔ افغانستان میں آغا خان کے پیرو کچھ اسماعیلی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں اور یہودیوں کے چھوٹے چھوٹے اقلیتی گروہ ہیں۔ اسلام کا دین و ثقافت بلا شرکت غیرے غالب چلا آرہا ہے۔ اب بھی ریاستی قانون کی بنیاد اسلامی قوانین ہیں۔

مسیحی تاریخ

دور دراز واقع افغانستان مقامی مسیحی آبادی اور خدا کے کلام کی گواہی سے خالی نہیں رہا۔ اگرچہ بہت ہی کم تفصیلات میسر ہیں، تاہم جب پانچویں صدی میں وسطی ایشیا کے اس حصے میں ''نسطوری مسیحیت'' کی توسیع واشاعت ہوئی تو افغانستان میں چرچ بنائے گئے اور ملک کے شمال مغربی علاقے ہرات میں بشپ مقرر کیا گیا تھا۔ ہرات کا ایک نواحی گاؤں تاحال ''انجیل'' کے نام سے موسوم ہے۔ مشرقی چرچ کے ان مناّدوں اور مبشرین کو اپنی تربیت کے دوران میں ''عہد نامہ جدید'' اور ''زبور'' زبانی یاد کرنا ہوتے تھے جس سے اشاعت انجیل کا اتنا شدید جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ ایشیا کے اس پار تک چلے جاتے تھے۔

لیکن سریانی بائبل کی زبان مردہ ہو گئی، اور بائبل لوگوں کی زبان میں منتقل نہ ہو سکی۔ چرچ محض رسمی بن گئے، ان کا روحانی جوش وجذبہ مر گیا اور بڑھتے ہوئے اسلام کے نتیجے میں چرچ نسیاً منسیا ہو گئے، تاہم آج بھی افغان قالینوں پر نسطوری صلیبیں بنائی جارہی ہیں جو اس خطے میں مسیحیت کی موجودگی کی خاموش گواہ ہیں۔ اگرچہ قالین باف صلیبوں کی اہمیت سے واقف نہیں، وہ تو محض ڈیزائن کی نقل تیار کرتے ہیں جو انہیں دستکار باپ دادا سے ملے ہیں۔

انیسویں صدی میں دارالحکومت کابل میں ایک چھوٹا سا چرچ دوبارہ بنا جو ترک وطن کر کے آنے والی ارمنی برادری کی مذہبی ضروریات پوری کرتا تھا، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ برطانوی سپاہیوں نے ۱۸۹۶ء میں اس گروہ کو ختم کر دیا، اور کچھ عرصے بعد ارمنی مسیحی ترکِ وطن کر گئے۔ پھر کچھ عرصے کے لیے افغانستان میں سرے سے کوئی مسیحی نہیں تھے۔

افغانستان کی سرحدوں پر مسیحی مشن ایک صدی سے زیاد عرصے سے کام کر رہے ہیں اور اس ملک کے لیے بہت دعائیں کی گئی ہیں۔ ملک کی ترقی کے لیے حکومت نے بہت سے نوجوانوں کو بیرون ملک تعلیم کی اجازت دی ہے جن میں سے بعض بائبل سے متعارف ہوئے ہیں۔ مسیحی موجودگی نمک اور روشنی کی مانند کام کر رہی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے موقع ملنے کے انتظار میں ہے۔ افغانستان کے لیئے خدا نے کیا وقت مقرر کر رکھا ہے، خدا کرے یہ جلد منکشف ہو۔

پاکستان: ''مذہبی اقلیتیں اور امتیازی قوانین'' - ایک ورکشاپ

---

۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء کو مسیحی تنظیم ''جسٹس اینڈ پیس کمیشن'' نے لاہور میں ایک ورکشاپ کا